

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اشارات

اسلامی شریعت کی مثال ایک سدا بہار درخت کی سی ہے۔ اساسی عقاید و نظریات اس درخت کی جڑیں ہیں، نصوص سے اس کا شناختنا ہے، قانون کے اصول و غایات اس کے بڑے بڑے ٹہنے ہیں، اجماعی فیصلے گویا کوئی ننپیں چھوڑنے والے اٹھوے ہیں اور وقتی اور جزئی مسائل و احکام اس کی تپیاں ہیں۔ اس درخت کی جڑیں، تنہا اور اس کے ٹہنے اپنی جگہ جوں کے توں قائم رہ کر نشو و نما پاتے ہیں، لیکن اس کی تپوں میں سے تھوڑی تھوڑی موسمی اثرات کے تحت گرتی رہتی ہیں اور ان کی جگہ نئی تپیاں نمودار ہوتی رہتی ہیں۔ گویا ہر قانونی نظام کی طرح ہمارے قانونی نظام کا ایک عنصر مستقل ہے، دوسرا تغیر پذیر۔ پہلے عنصر میں صلابت اور جماد ہے، دوسرے میں بہاؤ اور سیلان اور لچک ہے۔ پہلا اپنے ذرے ذرے کا شدید تحفظ چاہتا ہے اور بدلتے حالات کے سانچوں میں ڈھلنے پر تیار نہیں ہوتا بلکہ وہ سانچوں کو اپنی ساخت کے مطابق بدل لیتا ہے اور نہ بدلیں تو ان کو توڑ ڈالتا ہے، دوسرا عنصر پہلے کے زیر اثر رہتے ہوئے اولتے بدلتے حالات میں اپنے لیے مناسب جگہ پیدا کر لیتا ہے۔ پہلا ”بازمانہ متین“ کی فطرت رکھتا ہے، دوسرے کا مزاج ”بازمانہ لباز“ کا ہے۔ پہلے عنصر سے ہمارا امتیازی ملی وجود بنتا ہے اور دوسرا اس امتیازی وجود کو مختلف قسم کے ماحول میں پنپنے کے قابل بناتا ہے۔ پہلا عنصر ہمیں اپنے ماضی سے مربوط کرتا ہے اور دوسرا مستقبل کی طرف متوجہ رکھتا ہے۔

بیک دم ایک پہلو سے جماد کی ضرورت ہے، دوسرے پہلو سے بہاؤ کی! ان دو گونہ تقاضوں میں اگر توازن برقرار نہ رہے تو کوئی بھی قانونی نظام بقا و ارتقاء کے قابل نہیں رہتا۔ اگر مستقل عنصر کی صلابت ختم ہو جائے تو قانون کی بنیادیں اور اس کا مجموعی ڈھانچہ برباد ہو جاتا ہے اور اگر تغیر پذیر عنصر کا بہاؤ رک جائے تو اس کا فطری نشو و نما رک جاتا ہے۔

آج ہمارے معاشرے کے اندر دو انتہا پسند اور متضاد رجحانات باہم وگرتقابل ہو کر موجود ہیں اور دونوں اپنا اپنا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ ایک پیچھے کی طرف دیکھتا ہے اور آگے بڑھنے کو تیار نہیں، دوسرا آگے دوڑنا چاہتا ہے مگر پیچھے کوئی تعلق بڑا نہیں رہنے دینا چاہتا۔ ایک جماؤ ہی چاہتا ہے اور جزیات تک کے لیے تغیر پذیر کی گنجائش نہیں دیتا۔ دوسرا بہاؤ ہی بہاؤ چاہتا ہے اور اصول روایت کے اسامی سرمائے تک کو مستقل نہیں رہنے دینا چاہتا۔ ایک کے سامنے مغربی تمدن کی منزل مقصود ہے اور وہ اپنی فنی خودی، اپنی امتیازی ہیئت اور اپنے جداگانہ وجود تک کو ختم کر کے بگنٹ اس سمت میں لپک جانا چاہتا ہے۔ دوسرے کو اپنے دین اور اپنے اصول اور اپنی ہدایات و مقاصد کے تحفظ کا سخت اہتمام ہے لیکن وہ نہ جدید حالات اور تقاضوں کی پوری سوجھ بوجھ رکھتا ہے اور نہ اجتہادی ذہن کو کام میں لاکر مسائل حاضرہ کو حل کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ ایک کہتا ہے کہ جو کچھ کام ہو چکا ہے وہ سارا دیا بردار کئے ہوئے سوچنا چاہیے، دوسرا کہتا ہے کہ پچھلا سرمایہ فقہ قیامت تک کے لیے تمام جزیات میں کافی ہے۔ لہذا اس پر فزہ بھر اضافہ کرنے یا اس میں رد و بدل کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

جماعت اسلامی بیچ کا وہی نقطہ نظر پیش کرتی ہے جس کا تقاضا ہمارے قانون شریعت کی فطرت کرتی ہے یعنی اس شریعت کا جتنا اصولی عنصر مستقل قدر و قیمت کا ہے اس کا سختی سے تحفظ کرتے ہوئے اس کے اجتہادی عنصر میں جائز اور ضروری حد تک بہاؤ پیدا کیا جائے خصوصاً اب جبکہ پاکستان ایک اسلامی ریاست بننے کی راہ پر چڑ گیا ہے اور جب کہ سرزمین پاک میں نظام اسلامی کو عملاً برپا کر دینے کا آغاز ہو گیا ہے، ناگزیر ہے کہ اجتہاد کا دروازہ کھلے۔ اور بجائے اس کے کہ ضد مذہب میں پڑ کر غلط فہم سے متحرک ہونے والے ہاتھ اسے بے جا طریقے سے کھولیں، چاہیے یہ کہ صحیح طرز فکر رکھنے والے عناصر خود آگے بڑھ کر اس کے قفل واکریں اور پچھلے انضباط کے ساتھ تدریجاً اس کے کوارٹھوں میں عصر کی طرف سے اگر مطلوبہ فکری نوآبادیوں کو بہ عمل آجائے تو پھر تمام اعتدال پسند عوام کی توجہات اور توقعات کو وہ اپنی طرف سمیٹ سکیں گے اور اربابِ قنہ کے لیے میدان تنگ ہونے لگے گا۔ ورنہ اگر انہیں

اب بھی اجتہاد کے دروازے کو بند رکھنے پر اصرار کیا تو زندگی کے عملی مسائل و معاملات کے دباؤ سے فائدہ اٹھا کر غلط طاقتیں سرے سے اس دروازے کو توڑ ڈالیں گی اور اجتہاد کے نام سے پورے دین کا استغیا کر دیں گی۔

ہمارا پارٹ اس معاملے میں یہ بھی ہے کہ ایک طرف تو خود اپنے حلقوں میں دینی اور جدید دونوں قسم کے علوم سے آراستہ ذہن پیدا کیا جائے اور دوسری طرف جدید اور مذہبی طبقوں کو باہم دگر قریب لایا جائے تاکہ وہ اسلامی بنیادوں پر ریاست اور معاشرے کی تعمیر کرنے کے کام میں ایکٹ و سرے سے تعاون کر سکیں۔ کسی طرح ایک صف کے علم دین اور دوسری صف کے علم دنیا کو اکٹھا ہونا چاہیے جو ملکی اور بین الاقوامی دائرے میں اب ہمارے سامنے ہیں۔ ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے ہمیں اپنی آئیڈیالوجی کی سر ملندی اور اپنے اصول اساسی اور اپنی مخصوص ذہنی و ملی ساخت کے تحفظ کا پورا اہتمام کرتے ہوئے اجتہادی ذہن سے کام لینا ہے۔ اس کام کے لیے بڑی وسیع علمی استعداد اور بڑے اونچے درجے کی فنی مہارت کی ضرورت ہے۔ اس استعداد اور مہارت کی کمی پورا کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ ہم اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو ہر طرف سے جمع کریں۔ لیکن قوتوں اور صلاحیتوں کا مجتمع ہونا اور مختلف عناصر کا باہم دگر تعاون کرنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ کم سے کم اساسی نظریہ اور ملی نصب العین کی حد تک یک جہتی پیدا ہو جائے۔ چنانچہ جماعت اسلامی کی دعوتی اور علمی سرگرمیوں کا ایک پدف یہ بھی ہے کہ رجحانات اور آراء اور نقطہ ہائے نظر کے اختلافات کے باوجود نظریہ و مقصد کے لحاظ سے ساری قوم ایک ہو جائے۔

ہمارا مطالعہ یہ ہے کہ حقیقت پسند علماء اور متوازن ذہن کے جدید تعلیم یافتہ حضرات کی ایک اچھی خاصی تعداد اسی طرز پر سوچتی ہے۔

لیکن اجتہاد کا دروازہ کھولنے سے پہلے نہایت ضروری ہے کہ قانون اسلامی کے عناصر ترکیبی اور ان میں سے ہر ایک کی مقصدیت اور قدر و قیمت کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

انسان ہر حال میں ایک ایسے بنیادی قانون کا ضرورت مند ہے جس پر تمام تفصیلی اور جزئی ضوابط اور احکام استوار ہو سکیں۔ جو مزید قانونی فیصلوں کے لیے ماخذ ہو اور جو سند اور معیار کا کام دے سکے۔ ہمارا بنیادی قانون ان قطعی اوامر و نواہی پر مشتمل ہے جو خدا نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعے دیے ہیں۔ اسے ہم الہی قانون کہتے ہیں۔ اس قانون کی امتیازی شان یہ ہے کہ یہ کسی فرد، خاندان، طبقے یا قوم اور قبیلے کا بنایا ہوا نہیں ہے کہ اس میں کسی طرح کی جانب داری کا شبہ کیا جاسکے اور اس کے خلاف کوئی نسلی و وطنی تعصب کارفرما ہو۔ یہ ایک غیر جانبدار اور بے غرض و بے نیاز مستی کا عطا کردہ ضابطہ ہے۔ اس مستی کا غیر محدود و علم باضی اور مستقبل کو حاوی ہے اور انسانی دماغ کی کوتاہیوں سے پاک ہے۔ اس مستی کا نوع انسانی پر فطری اور منطقی حق یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ حکم دے اور اس کے حکم کو بے چون و چرا مانا جائے، کیونکہ وہ پیدا کرنے والا اور زندگی بھر کفالت کرنے والا ہے۔ ان وجوہ سے الہی قانون میں ایک انتہائی تقدس پایا جاتا ہے، اس کے لیے عقیدت و احترام کے مہذبانت کا فرما رہتے ہیں، اس کے موجب خیر و برکت اور ذریعہ عدل و توازن ہونے پر پورا پورا اعتقاد اور بھروسہ پایا جاتا ہے اور اعتقاد، عقل اور فادیت کے سارے اعتبارات سے وہ رضا کارانہ پیروی کا مستحق بنتا ہے۔ یہ الہی قانون دراصل ہمارے لیے بنیادی میزان عدل اور انکار و اعمال کو جانچنے پر لکھنے کی بے لاگ کسوٹی ہے۔ ہمارے پاس یہ ایک ایسا بنیادی ضابطہ ہے جو تمام لحاظوں اور زمانوں میں جوں کا توں برقرار رہتا ہے اور خواہشات و جذبات کے انتہائی اشتعال اور مفاد و اغراض کے سخت ترین تصادم میں بھی کسی کی مجال نہیں ہو سکتی کہ اس کے اندر کوئی مداخلت کرے۔ انسان کے خود ساختہ قانونی نظاموں میں بڑی کمی یہ ہے کہ وہ انسان سے اعتماد و احترام کے وہ جذبات اپنے حق میں حاصل نہیں کر سکتے جو بدلتے حالات، جذباتی ہیجانات اور مفاد کے تصادم میں ان کا تحفظ کر سکیں۔ آدمی جب کبھی خواہشات، مفاد اور جذبات کے زرخیز میں آتا ہے تو اپنے راستے سے وقت کے قانون کی حامل کردہ رکاوٹ کو دور کرنے پر تہل جاتا ہے۔ چنانچہ انسانی قوانین ہمیشہ افراد اور طبقوں اور پارٹیوں کے اسبواب و اغراض کا کھلونا بنے رہے ہیں۔ خیر اسلامی معاشرہوں کے پاس انسانی

قانون کے جو تراد و بیٹے اور کوٹیاں اور پیلانے پائے جلتے ہیں۔ اغراض و خواہشات کے ہاتھوں ان میں بار بار تصرف ہوتا رہتا ہے۔ بخلاف اس کے ہمارے پاس ایسی میزان اور ایسے باٹ ہیں کہ جن کا تقدس و احترام کسی حال میں ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم اپنے معاملات کو ان کے مطابق بنانے کے بجائے خود ان کو اول بدل ڈالیں۔ اس "قانون الہی" کے تحفظ کے لیے اعتقاد و ایمان، رائے عام اور حکومت و عدالت کی ساری طاقتوں کو برسر عمل رکھنا پورا قی فریضہ ہے۔ وہ احکام، وہ حدود، وہ ہدایات، وہ فیصلے جو خدا و رسول کی طرف سے بحیثیت دین کے ہم کو سونپے گئے ہیں، ان پر ہم صرف اعتقاد و احترام کی نگاہ ڈال سکتے ہیں۔ تنقید کی نہیں۔ ان پر سمعنا و اطعنا کہہ سکتے ہیں۔ ان میں مینہ منہ نکالنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ ان میں غور و فکر ہم حذب اطاعت سے کر سکتے ہیں، اصلاح دین اور ترمیم کرنے کے لیے نہیں! یہ قانون الہی تو وہ اساسی چٹان ہے جس پر اسلامی نظام قانون و فقہ کی ساری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اگر یہی مستحضر نزل ہو جائے تو عمارت کہاں کھڑی رہ سکے گی۔ بد قسمتی سے اجتہاد کے فاسد تصور کے علمبردار اس بنیادی الہی قانون تک پر ہاتھ صاف کرنے کے ارمان رکھتے ہیں۔ ان کا طرز فکر یہ ہے کہ قرآن نے اکثر ضوابط و حدود لیے بیان کیے ہیں جو عرب کے مخصوص تمدن اور دور نبوت کے مخصوص حالات سے متعلق تھے، کوئی وجہ نہیں کہ اب ہم ان سارے ضوابط و حدود کا بوجھ لپیٹ پر لا دے رہیں۔ رہے ایسے اوامر و نواہی جن میں نسبتاً مستقل قدر و قیمت پائی جاتی ہے، سوان کی تاویلات کا دائرہ وسیع ہے اور ہر دور کے مناسب حال ان کا کوئی نیا مفہوم معین کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے سامنے سے رسول خدا کی تو منجملہ تعبیرات کی طبیعت کو ہٹا کر تاویل کی غیر محدود آزادی حاصل کرنے کے درپے ہیں۔ اس آزادی کا مقصد یہ ہے کہ تاویل کے دروازے سے قرآن میں وہ وہ کچھ داخل کر دیا جائے جو اس کے اندر نہیں ہے۔ یہ سارا اہتمام بنیادی الہی قانون کو منہ کر دینے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ ان لوگوں کو اندازہ نہیں کہ الہی قانون کے تقدس و احترام اور انسانی مداخلتوں سے اس کے بالاتر ہونے کی حیثیت کو اگر ایک بار نقصان پہنچا دیا گیا تو پھر اسلامی قانون کے نام سے جو کچھ لایا جائے گا اس کے لیے عقیدت و اعتماد

اور قبول و اطاعت کے جذبات باقی نہ رہیں گے۔

ہمارے قانونی نظام کا دوسرا عنصر ترکیبی رسول اللہ کی سنت ہے۔ سنت دراصل بنیادی قانون کے تقاضوں اور اس کے مقاصد کو واضح کرتی ہے، عملی زندگی کے روزمرہ مسائل پر اس کے انطباق کا بیج معین کرتی ہے اور تعبیر و توضیح کا ایک رُخ بتاتی ہے۔ سنت بنیادی قانون کی تعبیر و توضیح کے معاملے میں انتشار کے امکانات کا سد باب کرتی ہے اور اختلافات کو جائز حدوں تک محدود کرتی ہے۔ سنت اُس یک رنگی و یکسانی کے قائم رکھنے کا ذریعہ ہے جسے ہر قانونی نظام اپنے اندر قائم رکھنا چاہیے۔ سنت اس منطقی ربط کو بھی برقرار رکھتی ہے جو قانون کے اصولیات سے لے کر اس کے باریک جزئیات تک میں پایا جانا چاہیے۔ قانونی نظاموں کی فطری ساخت ایک درخت کی سی ہوتی ہے جس کی جڑوں سے لے کر باریک کوئی پتہ تک سارے اجزاء باہم دگر پیوستہ اور باہم دگر مؤثر و متاثر رہتے ہیں اور درخت کی مجموعی فطرت کے پابند رہ کر اپنا اپنا وظیفہ سرانجام دیتے ہیں۔ یہ سنت ہی ہے جس کی برکت سے شریعت اسلامیہ کے شجرہ طیبہ کے سارے اجزاء ایک ہم آہنگ نظام میں مربوط رہ کر کام کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی جہالت پر سردھنیے جنہوں نے اس کے بالکل برعکس یہ پروگنڈہ شروع کر رکھا ہے کہ سنت ہمارے قانونی نظام میں اختلاف و افتراق کا باعث بنتی ہے۔ ان حضرات کو یہ سوئی سی حقیقت سمجھائی نہ دے سکی کہ سنت ماضی و مستقبل کا رشتہ ملائی ہے اور تاریخ کے سارے ادوار کو جوڑ کر ایک کُل بناتی ہے اور سنت ہی ہے جو زمین کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے مسلمانوں میں فکری وحدت اور تمدنی ہم آہنگی برقرار رکھتی ہے۔ اسی کوتاہ فہمی کے ساتھ یہ حضرات

لے اس حقیقت کو جدید طبقے کے اندر سب سے بڑھ کر اور شاید سب سے پہلے اقبال نے سمجھا۔ وہ تنہی اسرار و رموز میں واضح کرتا ہے کہ ملت کا اجتماعی وجود قائم ہی نبوت کے فیضان سے ہے۔ فرد کی زندگی تو خدا پر ایمان لانے سے بن سکتی ہے۔ لیکن ملت کا ظہور نبوت کے وسیلے سے ہوتا ہے (باقی صفحہ ۱۰)

اسلامی قانون کی اس ریڑھ کی ہڈی کو چور چور کرنے اٹھے ہیں۔ حالانکہ اگر سنت کا نبذ صحت ایک بار کاٹ دیا

راقبہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نبی کی تربیت، نبی کا اسوہ، نبی کی سنت افراد کو باہم دگر مربوط کر کے اجتماعیت کے پیکر میں لاتی ہے۔ خدا کا رسول وہ مرکز ہے جس کے گرد انخاص اور طبقے اور قومیں اور نسلیں سمٹ کر ایک وحدت کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ :-

حق تعالیٰ پیکر ما آفرید
از رسالت در زن با جاں دمید
حرف بے صوت اندرین عالم بدیم
از رسالت مصرع موزوں شدیم
از رسالت در جہاں تکوین ما
از رسالت دین ما، آئین ما
از رسالت صد ہزار باب است
جزو ما از جزو مالاینفک است
از رسالت ہم گداشتیم ما
ہم نفس، ہم مدعا گشتیم ما

ان اشعار میں سنت کی اہمیت کا جو شعور مضمر ہے اسے ایک فتنہ زدہ دماغ شاید اخذ نہ کر سکے۔ لیکن اقبالؒ نے سنت نبی اور اطاعت نبی کی اہمیت کو ”اسرار و رموز“ میں بھی اور دوسرے مواقع پر بھی پوری طرح واضح کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو :-

علم حق غیر از شریعت نہ پدید آید
ما شاعر مصطفیٰ از دست رفت
مرشد رومی چہ خوش فرمودہ است
مگل از ختم الرسل ایام خویش
از مقام او اگر دور استی
دل بہ محبوب حجازی بستیم
زشتہ ما یک تو لائش بس است
شکوہ بے سختی آئیں مشو
اصل سنت جز محبت پیچ نیست
قوم را ز مرثقا از دست رفت
آنکہیم در قطرہ اش آسودہ است
تکیہ کم کن بر فن ویر گام خویش
از میان معشر ما نیستی
زیں جہت با یک گریہ پوشتہ ایم
چشم ما کیف صہبائش بس است
از حدود مصطفیٰ بیرون مرو

جلے تو ملت۔ اسلامیہ کاشیر اندہ فکر آنا نانا پریشان ہو کے رہ جائے گا اور اس جسم واحد کا ایک ایک ذرہ ہوا میں بکھر جائے گا۔ ایک زمانہ دوسرے سے اور ایک نسل دوسری نسل سے اور ایک وطن کے باشندے دوسرے وطن کے باشندوں سے ذہنی طور پر منقطع ہو جائیں گے اور نہ ہمارے نظام میں زمانی تسلسل باقی رہے گا، نہ عالمگیریت کی روح اس میں زندہ رہ سکے گی۔ قرآن سے سنت کا پہرہ اٹھ جانے کے بعد جب ہوائے نفس کے تحت الہی قانون کی تعبیر کی جانے لگی تو کسی حکم اور کسی ہدایت کا کوئی مشترک منہوم باقی نہ رہ سکے گا اور ہمارے مجتہدین

رقیہ حاشیہ صومالی (عاشقی بحکم شواز تقلید یار) تاکندہ تو کند یزدان شکار

معنی دیدارِ آن آخر زمان حکم او برخوشی تن کردن رواں
وہ جہاں زنی چوں رسول انس و جان تاج او باشی قبول انس و جان
باز خود را میں ہمیں دیدارِ اوست سنت او متبر از اسرار اوست

وہ فسفہ زدہ سید زادے کو نصیحت کرتا ہے کہ ”دل در سخن محمدی بند“ وہ حضرت میاں میر کی تعریف میں کہتا ہے کہ ”بر طرقتی مصطفیٰ محکم پئے“ وہ حضور کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ”آئندہ بے او طے نمی گرد و سبل“۔ وہ ایک عالم دین کو ناقدانہ خطاب میں کہتا ہے کہ ”یہ مصطفیٰ برساں خویش“ کہ دیں ہمہ اوست اور ساتھ ہی انتباہ کرتا ہے کہ اگر یہ نہیں تو پھر جو کچھ ہے ”بہ لہی“ ہے۔ اب یہ پرے درجے کی ستم ظریفی ہے کہ اس اقبال کو منکرِ حدیث اور مخالفِ سنت بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ابھی حال ہی میں عائلی کمیشن نے اپنی سفارشات کے نظریاتی حصے میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اقبال محض ”کتاب اللہ کو سرچشمہ قانون اور سند مانتے تھے۔ کیا ظلم ہے کہ قلیل جدید“ سے ایک اقتباس لے لیا جاتا ہے اور ادھر ادھر نگاہ نہیں جاتی کہ اقبال نے آخر اور کیا کیا کچھ کہا ہے اور خصوصاً بعد میں اس کی فکر نے کیا مستقل شکل اختیار کی ہے۔ یہ ان حضرات کے قہر استدلال کی بنیادوں اور اس کے مسالے کا حال ہے۔

کے بگڑتے اجتہادات میں سے کسی کا رخ مغرب کی طرف ہو گا، کسی کا مشرق کی طرف اور کسی کا شمال یا جنوب کی طرف، اور جس کا بعد ہر شے اٹھے گا اُدھر بڑھتا چلا جائے گا۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ آخر سنت، رسول اللہ کے اجتہادات اور آپ کی تعبیرات اور آپ کے عدالتی نظام پر ہی کا تو مجموعہ ہے۔ پھر کمیوں ایک دور کے اجتہادات، تعبیرات اور نظام کو دوام دے دیا جائے؛ ان لوگوں کو اندازہ نہیں کہ رسول کے اجتہادات و نظام کو امت کے مقابلے میں کیا فوقیت حاصل ہے۔ رسول کے متعلق پہلی بات یہ ہے کہ شریعت کے علم اور مرضی الہی کے شعور کے لحاظ سے کوئی دوسرا فرد یا گروہ، یا پوری امت مل کر بھی آپ کا مقام نہیں پاسکتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اخلاص اور دیانت و امانت اور بے لوث اور بے لاگ ہونے کے لحاظ سے بھی کوئی بڑے سے بڑا مومن و متقی آپ کے ہم پایہ نہیں ہو سکتا۔ تیسری بات یہ واضح ہے کہ آپ نے چونکہ خدا تعالیٰ کی وحی اور ہدایت اور نگرانی اور حفاظت خاص کے تحت کارِ دین پُر انجام دیا تھا، لہذا آپ کے اجتہادات اور آپ کی تعبیرات اور آپ کے نظامِ فساد اور خطا سے پاک ہیں۔ رسول اللہ نے علم و عصمت کی جس بلند ترین سند پر سے خدا کی مرنیات اور اس کے احکام کو واضح کیا ہے اس پر چونکہ کوئی دوسرا بیٹھنے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے حضور کے قول و فعل پر خطِ منسوخ پھیرنے اور اس کے مقابل میں کوئی نئی چیز پیش کرنے کا حق بھی کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر (نعوذ باللہ) رسول خدا کے علم و اخلاص پر سے کسی کا افتادہ ہی اٹھ گیا ہو اور وہ اپنے یا کسی اور کے علم و اخلاص کو ترجیح دیتا ہو تو ایسے بدعت کے لیے سرے سے ملتِ اسلامیہ میں جگہ ہی کہاں ہوگی۔ سبدا اجتہاد تو بہت دور کی چیز ہے وہ تو پورا دین ہی اپنے لیے الگ تصنیف کرے گا، اسے کیا پڑی رہے کہ وہ اسلام کے اندر اجتہاد کرنے بیٹھے۔

سنت کے بعد ہمارے قانونی نظام میں "اجماع" کی بڑی بھاری اہمیت ہے۔ "اجماع"

قانونی معاملات میں ان متنفع فیصلوں کا اصطلاحی نام ہے جو امت کے مختلف مدارس فکر کے ماہرین قانون کی توثیق و تائید سے وجود میں آئے ہوں۔ اس سلسلے میں اولیت کا مقام ان اجماعی فیصلوں کو حاصل ہے جو خلافت راشدہ کی مقدس نشانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست علمی و عملی تربیت پانے والے صحابہؓ نے طے کیے ہیں۔ یہ سارے اجماعی فیصلے جو پہلے ہو چکے ہیں اور جو آئندہ ہونگے تعبیر و تاویل اور اجتہاد و استنباط کے میدان میں ایک دوسرے سے دور ہٹتے ہوئے اختلافی نقطہ ہائے نظر کو باہم دگر مروط رکھنے کا وسیلہ ہیں۔ ان فیصلوں کے ذریعے جا بجا ایسے مرکزی نقاط قانون کے میدان میں معین ہو جاتے ہیں جن پر اگر مختلف مدارس فکر ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ یہ چوراہوں پر لگے ہوئے نشانات اور سنگ ہائے میل کی طرح ہیں۔ اس بحث سے قطع نظر کہ سلف کے اجماع کو خلف کا اجماع بدل سکتا ہے یا نہیں، اسی بات مانے بغیر چارہ نہیں کہ اختلافی جزئیات کے مقابلے میں اجماعی فیصلوں کی اہمیت کئی گنا زیادہ ہے اور ان کے بارے میں غیر محتاط رویہ نہیں اختیار کیا جاسکتا۔ کسی اجماعی فیصلے سے تعرض کرنے سے پہلے بعد کے مجتہدین کو سو بار سوچنا پڑے گا۔ ورنہ اگر مختلف نقطہ ہائے نظر کا رشتہ ملائے والی ان گروہوں کو بے باکی سے کاٹ ڈالا جائے تو پھر تاویل و استنباط کے اختلافات بلا نہایت ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔ نتیجہ انتشار ہوگا۔

اجماعی فیصلوں سے نیچے آ کر قانونی معاملات میں نظائر (PRECEDENTS) کی بھی خاصی اہمیت ہے۔ اس اہمیت کو سمجھنے کے لیے قانونی نظام کی فطرت کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ قانون انقلابی حسرت نہیں لگا یا کرتا بلکہ تدریجی طور پر نشو و نما پاتا ہے۔ وہ اصولوں سے فردعات اور کلیوں سے جزئیات پیدا کرتا ہے۔ وہ ایک درخت کی طرح ٹہنوں سے چھوٹی شاخیں اور ٹانگوں سے کوئلیں اور کوئلوں سے پتیاں نکالتا رہتا ہے۔ اس کا ارتقاء ایک تدریجی تسلسل رکھتا ہے۔ اس میں ہر نئی چیز کسی اصول سے اخذ ہوتی ہے اور مجموعی نظام میں

اسے ایسی جگہ بنا کے دینی پڑتی ہے کہ نہ تو اس سے کوئی اصولی مجروح ہو اور نہ دوسرے جزئیات سے وہ ٹکرائے۔ ہر نئے جزیئے کو مجموعی ڈھانچے سے ہم آہنگ ہونا چاہیے اور اس منطقی رابطے کے اندر کھپ جانا چاہیے جو نظام قانون کا لازمہ ہے۔ قانون میں نئے جزئیات بالکل اسی طرح رونما ہوتے ہیں جیسے درخت اپنے اندر سے اپنی ضرورت کی نئی پتیاں اپنی مخصوص ساخت کے ساتھ نکالتا رہتا ہے۔ بخلاف اس کے اگر اس کی اپنی پتیاں نوچ کر کسی اجنبی درخت کی پتیاں اس کی ٹہنیوں کے ساتھ لاکر باندھی جانے لگیں یا اس کی شاخ تراشی کر کے بے جڑ قسم کی شاخیں اس کے تنے پر اڑس دی جائیں تو وہ سارے کا سارا تباہ ہو کے رہ جائے گا۔ اس طرح بے جڑ اصول و مقاصد اور اجنبی قسم کے جزئیات اگر کسی قانونی نظام میں زبردستی ٹھونس دیئے جائیں تو وہ اس کے پورے ڈھانچے کا ستیاناس کر کے رکھ دیں گے۔ قانون کے مزاج کی یہی خصوصیت ہے جو نظائر کی اہمیت پیدا کرتی ہے۔ علمائے قانون، جج اور قاضی، مفتی اور کلا کوئی فیصلہ دینے اور رائے قائم کرنے سے قبل پیچھے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اب تک قانون نے کیا کیا سنگ ہائے میل نصب کیے ہیں اور کیا کیا نقوش پا ثبت کیے ہیں۔ پچھلے نظائر سے بے نیاز ہو کر قانون میں اندھا دھند رائے دینے اور فیصلے کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ بے جڑ اور باہم دگر متصادم فیصلوں اور آراء کو اپنے اندر جمع کرے اور اس کا ارتقائی تسلسلہ اس کا منہمق رابطہ بالکل تباہ ہو کے رہ جائے۔ علاوہ بریں کسی قانونی نظام کو جو محاذِ اثر کے چل رہا ہوتا ہے اس کے اندر اپنے ہاں کے قانونی روایات و نظائر سے ایک ذہنی وابستگی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ وابستگی مسلمانوں کے اندر قانونِ شریعت کے لیے زیادہ گہری قسم کی ہے۔ معاشرے کے تاثرات کا لحاظ کیے بغیر اگر کچھ لوگ قانونِ شریعت کا سارا ڈھانچہ میخ کر دینے والے انوکھے فیصلے کرنے پر آتے آئیں تو ان فیصلوں کو عملاً قبول کون کرے گا اور یہ نافذ کن لوگوں پر کیے جاسکیں گے۔ قانون میں اب تک جو فکری ارتقاء ہوا ہے اور ملت کے معتمد علیہ ائمہ و مفکرین نے عرق ریزیوں کا جو علمی حاصل ہمارے لیے چھوڑا ہے۔

اور جس کے استدلال کے ساتھ پوری پوری سازگاری ہمارے اجتماعی ذہن نے پیدا کر لی ہے، اسے پاؤں تلے روند کر ایک نئی شریعت گھڑنے پر کون ہو گا جو ”متحرک اسلام“ کے مجتہدین کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔ بالکل ناگزیر ہے کہ نئے فیصلے کرنے سے قبل پچھلے فیصلوں کا باریکی سے جائزہ لیا جائے اور کسی نئی بات کو سامنے لانے سے قبل یہ اطمینان کر لیا جائے کہ قانون کے مجموعی ڈھلچنے سے یہ ہم آہنگ ہو سکے گی یا نہیں۔ قانون اپنے ارتقاء میں جس تدریجی تسلسل اور جس منطقی ربط کو چاہتا ہے اسے برباد کر دینے کا نام اجتہاد نہیں ہو سکتا۔ ایسا اجتہاد تو اس کی جڑیں کھود کے رکھ دے گا۔

منقصر یہ کہ کسی بھی قانونی نظام میں اجتہاد بچوں کا کھیل نہیں ہوتا کہ ہر تیز دماغ قلم راس اس کی مسندِ جلید پر جلوہ فرما ہو جائے، کجا کہ معاملہ شریعتِ اسلامی کا ہو جس کے ساتھ کروڑوں بندگانِ خدا کی دنیا بھی اور آخرت بھی بندھی ہوئی ہے۔ اس منصب پر آنے کے لیے کسی خاندان یا نسل یا طبقے سے نسبت کی ضرورت نہیں، لیکن قانون کے تمام عناصر، تمام اصول اور تمام اجزاء اور ان کے باہمی ربط کی ماہرانہ بصیرت ضرورہ کار ہے۔ اجتہاد سے پہلے اکتساب کی ضرورت ہے۔ اگر امریکہ کی عظیم ایٹمی تجربہ گاہ میں ہر اٹاری کو گھومتے پھرنے اور مداخلت کرنے کا حق دے دیا جائے تو جتنا بُرا نتیجہ اس حماقت سے رونما ہو گا اس سے ہزار گنا زیادہ بُرا نتیجہ شریعتِ اسلامیہ کے سبب پیدا ہو گا اور باریکی دار نظام میں ان گھڑ ذہنوں کو طبع آزمائی کا اذن دے دینے سے شریعت اور ملت کے حق میں رونما ہو سکتا ہے۔

اجتہاد کے لیے بہر حال معتد علیہ شخصیتوں کی ضرورت ہے۔ اسی لیے ہمارے علومِ قانونیات میں مجتہد کے لازمی اوصاف اور شرائطِ اجتہاد پر بڑی تفصیل سے بحثیں کی گئی ہیں۔ ان بحثوں کا اگر اصل مغز سامنے رکھا جائے تو اجتہاد فیصلے صرف ایسے لوگوں کے ذریعے ہونے چاہئیں جو حسبِ ذیل پہلوؤں سے ملت کا اعتماد حاصل کر سکیں :-

— ان کی علمی استعداد کے بارے میں یہ اطمینان پایا جانا چاہیے کہ یہ قانون شریعت کے پورے سسٹم کو بڑے سے لے کر کوئیوں تک سمجھتے ہیں اور ان کا باہمی ربط جانتے ہیں اور پیش آمدہ مسائل میں ماہرانہ رائے دے سکتے ہیں۔

— ان کے کردار کے بارے میں عوام کو یہ بھروسہ ہونا چاہیے کہ یہ خدا ترس اور با اخلاص اور دیانت دار لوگ ہیں، ان کے اندر دین اور اس کے قانون سے انحراف کا جذبہ کارفرما نہیں ہے، یہ شریعت کے اندر اپنی اغراض و ابھوار کو دخل کرنے والے نہیں ہیں اور ان کے کچھ اپنے طبقاتی اور گروہی تقاضے ایسے نہیں ہیں کہ جن کو یہ خدا اور رسول کا نام لے کر اجتہاد کے عنوان سے ہمارے سر منڈھ دیں۔

— ان کی ذہنی و فکری ساخت کے بارے میں عام مسلمانوں کے اندر یہ اندیشہ موجود نہ ہونا چاہیے کہ وہ کسی غیر اسلامی فکر و تہذیب سے مرعوب اور کسی کافرانہ نظام قانون کے مفتوح ہیں اور وہ اجتہاد کی مسند پر بیٹھ کر شریعت کے ڈھانچے میں اجنبی اور متضاد نظریات، اصول اور جزئیات کو داخل کر دیں گے اور اسلامی قانون میں تحریف کر ڈالیں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ منصب اجتہاد کے لیے ایسے دل و دماغ کو کوئی بھی قانونی نظام — اور علی الخصوص اسلام — موزوں اور اہل قرار نہیں دے سکتا جو اغیار کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو۔ ذہنی غلامی اور اجتہاد میں باہمی منافات ہے۔ کہنے والے نے خوب کہا کہ ”محکوم کے الہام سے اللہ بچائے“ کہنا چاہیے کہ اغیار کے ذہنی غلاموں کے اجتہاد سے اللہ بچائے۔

ان صفات سے عاری لوگ اگر اجتہاد کی مسندوں پر بیٹھنے لگیں — چاہے یہ مسندیں کسی کمیشن کے نام سے حکمران پارٹی نے اپنے دست مبارک سے کیوں نہ بچھائی ہوں — تو عوام ان کے کیے ہوئے کام سے کبھی مطمئن نہیں ہو سکتے اور نہ وہ ان قانونی تبدیلیوں کو شرح صدر سے قبول کر سکتے ہیں جو ایسے غیر معتد مجتہدین نے تجویز کر کے دی ہوں۔ ان کے کارناموں کو ہمیشہ شک و شبہ سے دیکھا جائے گا اور ان کی مداخلتوں کو لازماً دین میں مسخ اور تحریف کا ہم معنی سمجھا جائیگا۔

قانون شریعت کی مقدس اور پیچیدہ مشینری کو متحرک کرنے کا کام کبھی ایسے لوگوں کے حوالے نہیں کیا جاسکتا جن کی مملکت عامیانه درجے کی ہوں، جن کی پوری عملی زندگی اسلام کے تقاضوں سے بغاوت اور فرار کی شہادت دے رہی ہو، جن کے بارے میں یہ بات معلوم عام ہو کہ وہ غیر اسلامی فکر و تہذیب کے سلسلے مفتوح ہو چکے ہیں اور باہر سے لالاکر اجنبی چیزوں کو اسلام کے ڈھلچنے میں نصب کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔ اور جن کے نرلے تصور اسلام کو ملت اسلامیہ کا اجتماعی ذہن قبول نہیں کر سکتا۔

صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ ہم اپنے اندر سے ایک طرف ایسے معتمد علیہ علماء کو لیں جو اسلامی قانون کے ماہرانہ علم کے ساتھ جدید حالات و ضروریات کا شعور رکھتے ہوں اور دوسری طرف

اس لیے یہ وجہ ہے کہ دورہ وال و فساد میں جبکہ اسلامی نظام برطرف ہو گیا ہو اور غلط قسم کی قیادت برسرِ اقتدار آجائے اور دین و شریعت کے معاملات غیر ذمہ دار ہاتھوں میں چلے جائیں، علماء کی ایک بڑی تعداد نے اجتہاد کے دعوے کا بند رکھا جانا لازم قرار دیا ہے۔ ان کے استدلال میں تناوڑن تھا کہ علامہ اقبال مرحوم نے بھی اسے قبول کر لیا، وہی اقبال جو ”تشکیل جدید الہیات اسلامیہ میں اجتہاد کا نہایت جہلک اور خطرناک تصور پیش کرتا ہے، مثنوی اسرار و رموز میں متعین کرتا ہے کہ،

اجتہاد اندر زبان انحطاط	قوم ما برہم بھی پیچیدہ بساط
زرا اجتہاد عالمان کم نظیر	اقتداء بر رفتگان محفوظ تر
راہ آبارو کہ ایسی جمعیت است	معنی تقلید ضبط ملت است

آج جو مدعیان اجتہاد تشکیل جدید کے اقتباسات استعمال کر رہے ہیں ان سے درخواست ہے کہ وہ فلاسف رجعت پسند اور ماضی پرست اقبال کو بھی پڑھیں جس نے چنگی فکر کے مقام تک آئے آئے تشکیل جدید کے اکثر مباحث کی خود ہی ترویج کر دی ہے۔ ان حضرات اقبال کی اسی ایک کتاب کو آخر کیوں اپنے لیے چراگاہ بنالیا ہے۔

جدید تعلیم یافتہ طبقے میں سے ایسے مخلص افراد کو چھانٹ لیں جو دورِ حاضر کے مسائلِ حیات کا تحقیقی مطالعہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اسلام سے وفاداری رکھتے ہوں اور کم سے کم اسلامی قانون کے عناصر ترکیبی اور ان کے باہمی ربط اور ان میں سے ہر ایک کی قدر و قیمت کو جانتے ہوں۔ دونوں صفوں میں سے وہی لوگ اس نازک فریضہ کو سرانجام دینے کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں جو اتہا پسندانہ فہم کے ساتھ باہم دگر نفرت اور کشمکش رکھنے کے بجائے ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے کے اہل ہوں۔ بروئے دستور جو کمیشن موجودہ قانونی نظام کو اسلام کے مطابق بدلنے کا منصوبہ بنانے کے لیے مامور کیا جانے والا ہے، اس کے ارکان کا انتخاب کرنے میں اگر اسی معیار کو سامنے رکھا جائے تو نہایت اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ صدر ریاست سے ہم اس غلطی کی توقع نہیں کرتے جو عائلی کمیشن کی ترتیب میں کی جا چکی ہے اور جس کے زیریں کارنامے پر سارا ملک نفرین بھیج رہا ہے۔

نئی کتابیں چھپ کر آگئیں

توضیحات | مولانا امین احسن صاحبِ علاجی کی ایک نہایت جامع کتاب جس میں مختلف موضوعات پر مضامین جمع کر دئے گئے ہیں۔ آیاتِ قرآنی کی تفسیر و تشریح۔ حدیث اور سنت اور اس کے بارے میں جماعتِ اسلامی پر کئے جانے والے اعتراضات کا مدلل اور سبکت جواب اور بعض معاشی اور معاشرتی مسائل مثلاً پردہ، مسئلہ خلیک اور زکوٰۃ۔ اسلام میں شوری اور قانون سازی کی صحیح نوعیت اور یہی طرح کے یعنی دوسرے اہم مسائل پر مولانا نے موصوف کے قلم سے نہایت زوردار اور شگفتہ مضامین شامل ہیں۔ قیمت: ساڑھے تین روپے

انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام | پروفیسر عبد الحمید صدیقی کی نہایت قیمتی علمی کاوش جو ان کے وسیع مطالعہ کا پختہ اور علم و تحقیق کے میلان میں ایک قابلِ قدر کارنامہ ہے۔ پروفیسر صاحب نے وقت کے مختلف نظامہاں کے فکر کا گہرا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد ان کی خامیاں اور نقصان نمایاں کئے ہیں اور اسلام کو بہترین نظامِ زندگی ثابت کیا ہے۔ قیمت: ساڑھے تین روپے

مولانا عبد الغفار حسن صاحب کا مرتب کردہ مجموعہ احادیث

عنقریب طبع ہو کر آنے والا ہے

سننے کا پتہ: مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان۔ اچھرہ۔ لاہور